علامہ زمخشری کا تصور نظم قرآن، تجزیاتی مطالعہ

آصف جاوید*

حافظ انتظار احمد*

ABSTRACT

Despite his being a staunch Mutazali, Allama Zamakhshari declares the Holy Quran to be a miracle on account of its unique coherence and cohesion. For the first time in the history of Quranic exegesis, he made a subject of the mutual juxtaposition of Quranic words, sentences, verses and surahs such discussions on the Quranic cohesion as are related to literary and communicative aspects such as metaphor, simile, allusion and syntax. Similarly, he demonstrated the Quranic cohesiveness by beautifully applying the roles and regulations of rhetoric on the verses of the Holy Quran. Such forms of coherence and cohesion did he adopt as can be declared as the fundamentals of the idea of the Quranic cohesion. In this regard, this article is the first such comprehensive study of the Tafseer e Kashaf.

Keywords: نظم، تصور، مجازی معنی، بلاغت، نحوی تشریحات

قرآن حکیم اپنے ادبی اور بلاغی اسلوب کے اعتبار سے بلاشبہ ایک معجزانہ کلام ہے، جس پر امت کے علماء ادب وبلاغت نے مختلف ادوار میں خوب داد تحقیق دیا ہے تاہم اس میدان میں علامہ زمخشری وہ پہلے مفسر ہیں، جنھوں نے قرآن حکیم کو اپنے خاص نظم وترتیب کی بنا پر معجزہ قرار دیا ہے۔ آپ نے قرآن حکیم کے کلمات، الفاظ اور

---

* پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ، پاکستان

جملوں میں باہمی مناسبت پر کلام فرمایا اور مختلف ابلاغی اصول کا قرآنی آیات پر انطباق کرتے ہوئے قرآنی نظم و مناسبت کو متعارف کروایا ہے۔ ربط و نظم کے موضوع پر آپ کا کام خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اور مابعد علمائے ادب و بلاغت نے آپ سے خوب استفادہ کیا ہے یہاں تک کہ قرآنی ربط و نظم پر کام کرنے والا کوئی شخص بھی اس سے مستغنی نہیں رہ سکا۔ مقالہ ہذا میں علامہ زمخشری کے تصور نظم قرآن کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنی آیات، قرآنی کلمات اور قرآنی سور میں بلا شبہ نہایت کمال درجے کا ربط و نظم پایا جاتا ہے جو قرآن حکیم کے ادبی اور بلاغی طور پر معجزانہ کلام ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔

نظم کا معنی و مفہوم

خلیل بن احمد الفراہیدی نظم کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”النظم نظمک خرزا بعضه الی بعض فی نظام واحد وهو فی کل شیءحتی قیل لیس لامره نظام .... والنظام العقد من الجواہر والخرز ونحوها وسلکه خیطه۔“[1]
>
> ”نگینوں کو آپس میں باہم حسن ترتیب سے پرونا نظم ہے اور نظم ہر چیز میں بولا جاتا ہے حتی کہ کہا جاتا ہے اس کا نظام نہیں، یعنی اس کا طریقہ درست نہیں ہے۔ اور نظام جواہرات اور نگینوں کے ہار وغیرہ کو بھی کہتے ہیں۔“

ابن منظور ”نظم“ کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ”نظمت اللولو ای جمعته فی السلک والتنظیم مثله وکل شیءقربته بآخر او ضممت بعضه الی بعض فقد نظمته النظم: المنظوم وصف بالمصدر النظام: ما نظمت فیه الشیءعن خیط وغیره، نظام ونظام کل امر ملاکه والجمع انظمة واناظیم والنظام ینظم به اللولو وکل خیط ینظم به اللولو او غیره.... فهو نظام وجمعه نظم والنظام الدمیة والسیرة ولیس بامرهم نظام ای لیس له هدی ولا متعلق ولا استقامة۔“[2]

---

[1] ۔ الفراہیدی، خلیل احمد، کتاب العین، دارالمکتبة الہلال، بیروت، س ن ، 8: 165

[2] ۔ الافریقی، ابن منظور، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار الکتب العلمیه، بیروت، 1412ھ، 578:12

"نظم کے معنی پرونا ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے موتی دھاگے میں پروئے اور اسی طرح تنظیم کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو آپ کسی چیز کے ساتھ جوڑ دیں یا اس کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ ملا دیں تو اسے نظم کہا جائے گا۔ نظم حقیقت میں منظوم ہے جو بطورِ مصدر بیان کیا گیا ہے دھاگہ وغیرہ کے ساتھ موتیوں یا کسی اور چیز کو جوڑا جاتا ہے اسے نظام کہتے ہیں اور کسی بھی معاملے کا نظام اس کی اصل ہوتا ہے، اس کی جمع انظمہ، اناظیم آتی ہے اور نظام وہ دھاگہ یا چیز ہے جس میں موتی یا کسی اور چیز کو پرو دیا جائے، اسی طرح نظام کے معنی طریق کار اور عادت کے بھی آتے ہیں۔ ان کے معاملے میں کوئی نظام نہیں، یعنی ان کے معاملہ میں کوئی سلیقہ، ربط اور درستی نہیں"

لفظ نظم کے لغوی معنی کے متعلق علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

"النظم التالیف وضم شیءالی شیءآخر ونظم اللولو ینظمه نظام و نظمه الفه وجمعه فیسلک فانتظم وتنظم والنظام کل خیط ینظم به لولو ونحوه۔"(1)

"نظم کے معنی ہیں جوڑنا اور کسی چیز کو دوسری چیز سے ملانا۔ نظم اللولو ینظمه نظما و نظمه کے معنی ہیں کسی دھاگے میں اس طرح موتیوں کو پرونا کہ ایک دوسرے سے مربوط ہو جائیں اور نظام اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں موتی اور اس طرح کی چیزیں پروئی جاتی ہیں۔"

نظم کے لغوی معانی میں یہ مفہوم زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ نظم دراصل دھاگے یا اس قسم کی چیز کو کہتے ہیں جس میں موتی پروئے جائیں۔ ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

هل هملت عینای فی الدار غدوة بدمع کنظم اللولو المتهالک۔(2)

"صبح سویرے ہی گھر میں میری آنکھوں نے ایسے آنسو بہانا شروع کر دیے جیسے کسی لڑی سے موتی گرتے ہیں۔"

علامہ زمخشری نظم کے مجازی معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"النظم فی اللغة جمع اللولو فی لولو السلک ومن المجاز نظم الکلام وہذا نظم حسن والنظم کلامه وامره، ولیس لامره نظام اذا لم تستقم طریقته وتقول ہذه

1۔ فیروزآبادی، مجد الدین، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، 144، دار الجیل، بیروت، س ن

2۔ ابو تمام، حبیب الرحمن اوس الطائی، دیوان الحماسه مع شرح تبریزی، دار القلم بیروت، س ن، 106:2

امور نظام لو کان لها نظام۔"(1)

> "نظم کا لغوی معنی ہے اس نے موتی، موتیوں کے ہار میں پروئے اور مجازی طور پر اس کا مطلب ہے کہ اس نے کلام کو منظم کیا اور یہ عمدہ نظم ہے، اس کا کلام اور معاملہ منظم ہے اور جب کسی کا کام منظم نہ ہو تو کہا جاتا ہے لیس لامرہ نظام یعنی اس کے کام میں کوئی نظم نہیں اور جب کسی کے کام میں نظم ہو تو کہتے ہیں "ہذہ امور عظام۔"

الفاظ و معانی مناسب انداز اور انتہائی ترتیب کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں، ایک کڑی دوسری کڑی میں پیوست ہو۔ کلام میں کسی قسم کا خلا محسوس نہ ہوتا ہو تو ایسے کلام کو کلام منظوم کہتے ہیں۔

علامہ شریف جرجانی نظم کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> "تالیف الکلمات والجمل مرتبة المعانی متناسبة الدلالات علی حسب ما یقتضیه العقل۔"[2]

> "مرتب معانی اور متناسب دلالات والے کلموں اور جملوں کو عقلی تقاضوں کے مطابق جوڑنا۔"

علامہ زمخشری کا تصور نظم و مناسبت ذکر کرنے سے قبل، یہ وضاحت ضروری ہے کہ اعجاز قرآن کے حوالہ سے معتزلہ عام طور سے نظریہ صرفہ کے قائل ہیں۔ نظام سے عبدالجبار اسدی تک تمام معتزلی مفکرین اس بات کے قائل رہے ہیں کہ قرآن نے اہل عرب کو اس جیسا کلام پیش کرنے پر چیلنج کیا تھا اور اس کے جواب میں مکمل خاموشی چھائی رہی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قرآنی ادب مافوق ادراک تھا اور اہل عرب اس کی نظیر پیش کرنے پر قادر نہ تھے، بلکہ انھیں قرآن کے چیلنج کے جواب میں خاموشی اس لیے اختیار کرنی پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن کے معارضہ سے باز رکھا، حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتے تھے۔

زمخشری راسخ العقیدہ معتزلی ہونے کے باوجود اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک قرآن دو پہلوؤں سے اعجازی صفت کا حامل ہے۔

ا۔ اپنے نادر الوجود نظم و ترتیب کی وجہ سے

---

1 ۔الزمخشری، ابو القاسم، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، انتشارات آفتاب، تہران، س ن، 238:1

[2] ۔الجرجانی، علي بن محمد، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1983، ص:242

۲۔ غیب کی پیش گوئیوں کی وجہ سے

سورہ یونس میں جہاں قرآن نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر مشرکین مکہ کے اعتراضات صحیح ہیں تو قرآن جیسی ایک سورت ہی تصنیف کر کے دکھا دیں اور جن جھوٹے معبودوں کو مدد کے لیے بلانا چاہتے ہوں بلا لیں، لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انھوں نے خواہ مخواہ جھٹلا دیا یہاں صاحب کشاف آیت نمبر:39 ولما یاتھم تاویلہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "انه كتاب معجز من جهتين: من جهة اعجاز نظمه، ومن جهة ما فيه من الاخبار بالغيوب متسرعوا الى التكذيب به قبل ان ينظروا فى نظمه و بلوغه حد الاعجاز۔ "(1)
>
> ”کتاب الٰہی دو حیثیتوں سے معجزہ ہے۔ ایک تو اس کا نظم معجزہ ہے اور دوسرا اس میں غیب کی خبریں ہیں، لیکن ان مشرکین نے قرآن کے اعلیٰ درجہ نظم پر غور نہیں کیا اور فوراً تکذیب کر دی۔“

سورہ نساء کی آیت 166 ”ولکن اللہ یشھد“ کی تفسیر میں ’انزله بعلمه‘ کے جملہ کا ماقبل سے تعلق واتصال واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”انزلة متلبسا بعلمه الخاص الذى لا يعلمه غيره وهو تاليفه على نظم و اسلوب يعجز عنه كل بليغ و صاحب بيان وان شهادته بصحته انه انزله بالنظم المعجز الفائت للقدرة۔ “(2)
>
> اللہ عزوجل نے قرآن کو اپنے اس علم خاص کے ساتھ نازل کیا ہے، جس سے کوئی واقف نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی ترتیب و تنظیم ایسے اسلوب اور نظم کے مطابق ہے۔ جو ہر صاحب بلاغت اور صاحب بیان کے بس سے باہر ہے اور قرآن کی صحت وصداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر کسی کی طاقت سے بلند ہے۔“

الغرض علامہ زمخشری دوسرے معتزلی مفکرین کے بالعکس قرآنِ حکیم کے نادر الوجود نظم کو اس کی صفت

---

1 ۔ الكشاف، 584:1

2 ۔ الدرويش، محى الدين، اعراب القرآن الكريم و بيانه، مكتبه ذوى القربى، قم ايران، طبعه اولى، 1425ھ، 496:6

اعجاز قرار دیتے ہیں اور اپنی تفسیر میں خالص نحوی تشریحات کے علاوہ فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے قرآن کے ادبی محاسن کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

علامہ زمخشری کا منہج واُسلوب

چھٹی صدی ہجری سے قبل تک علم نظم کا دائرہ بحث، ادب وبلاغت تک محدود رہا، علامہ زمخشری وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے ان مباحث کو وسعت دیتے ہوئے عملاً قرآنِ کریم پر اطلاق وانطباق کیا جس سے نظم ومناسبت کے نئے نئے پہلو سامنے آئے اور اس کے بعد اس علم نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔

علامہ زمخشری کلمات، جملوں اور آیات کے درمیان ربط قائم کرنے کے لیے اپنی تفسیر میں درج ذیل الفاظ استعمال کرتے ہیں:

1. اتصال مصدر کے مشتقات، یعنی کبھی اتصل ماضی کے صیغہ کے ساتھ تو کبھی یتصل مضارع کے ساتھ۔
2. تعلق کے لفظ کے ساتھ
3. "ماموقع ہذہ الجملۃ" کے الفاظ سے
4. نظم کے لفظ کے ساتھ اور کہیں کہیں نظام کا لفظ بھی ملتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے منہج واسلوب کی وضاحت کو راقم نے مختلف مباحث میں تقسیم کیا ہے۔

یہ مبحث چار عناوین پر مشتمل ہے۔

ا۔ حروفِ جارہ کی بنیاد پر ربط ومناسبت۔

۲۔ کلمات کی تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ربط۔

۳۔ کلمات کا ترتیب وتالیف کے اعتبار سے ربط۔

۴۔ اسم اشارہ کا ما قبل آیت یا آیات کے مجموعہ سے ربط۔

حروفِ جارہ کے اعتبار سے ربط ومناسبت:

علمائے نحو، نحوی تحلیل کے دوران حرف جار اور ظرف کو یا تو لفظوں میں فعل یا شبہ فعل کے ساتھ متعلق و متصل کرتے ہیں یا پھر صیغہ صفت محذوف نکال کر متعلق کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعراب القرآن کی تمام

کتب میں جار مجرور کے اتصال کا اہتمام کیا گیا ہے۔(1)

علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں جابجا حروف جارہ کے تعلق و اتصال پر بات کرتے، ہیں مثلاً: سورۃ الزمر آیت نمبر ۱۔"للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنة" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(فی ھذہ الدنیا) متعلق باحسنوا لا بحسنة۔ معناہ: الذین احسنوا فی ھذہ الدنیا فلھم حسنة فی الآخرہ وھی دخول الجنة فی بذہ الدنیا"(2)

کو احسنوا کے ساتھ متعلق کیا جائے گا نہ کہ حسنة کے ساتھ لہٰذا، معنی یہ ہو گا کہ "جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے ہی آخرت میں بھلائی ہے اور وہ بھلائی جنت کا داخلہ ہے۔"

۲۔ کلمات کی تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے ربط

علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں کلمات کی تقدیم و تاخیر کے حوالہ سے مناسبت پر جابجا بات کرتے ہیں، سطور ذیل میں امثلہ کے ساتھ اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

سورۃ الفاطر کی آیت نمبر 32:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾

کے تحت ظالم، مقتصد اور سابق کی تقدیم و تاخیر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فان قلت: لم قدم الظالم ثم المقتصد ثم السابق؟ قلت لکثرة الفاسقین وغلبتھم، وان المقتصدین قلیل بالاضافة الیھم والسابقون اقل من القلیل۔"(3)

"اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ ظالم کا ذکر پہلے کیوں کیا گیا، پھر مقتصد اور پھر سابق کا؟ میرے نزدیک یہ تقدیم و تاخیر اس لیے ہے کہ فسّاق غالب اکثریت میں ہوتے ہیں (اس لیے ان کو پہلے رکھا گیا) اور مقتصدین ان سے کم اور سابقین نہایت قلیل ہوتے ہیں۔"

---

1 ۔ کرباسی، محمد جعفر، اعراب القرآن، مکتبہ الہلال، بیروت، طبعہ اولی، 2001ء، 19:7

2 ۔ الکشاف، 390:3

3 ۔ الکشاف، 390:3

کلمات کا ترتیب و تالیف کے اعتبار سے ربط

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے امثلہ کی جگہ صرف حوالہ جات ذکر کر دیے گئے ہیں ان کی تفصیل کو "کشاف" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔(1)

اسم اشارہ کی ما قبل آیت یا آیات سے مناسبت

سورۃ النساء آیت نمبر: 13

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

اسم اشارہ کے ساتھ شروع ہو رہی ہے، صاحب کشاف اسم اشارہ کے ما قبل آیات کے ساتھ تعلق و اتصال کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تلک اشارة الی الاحکام التی ذکرت فی باب الیتامی والوصایا والمواریث۔"(2)

"تلک اسم اشارہ کا تعلق، میراث، وصیت اور یتامی سے متعلق مذکورہ مسائل و احکام کے ساتھ ہے۔" گویا آیت نمبر ۲ تا ۲۱ یتامی، وصایا اور مواریث کے جتنے بھی احکام ہیں ان سبھی کے ساتھ اسم کا اتصال ہے۔

مصنف کے قائم کردہ اس ربط میں نظم قرآن کے متلاشی کے لیے سامان تفکر و تدبر موجود ہے کہ کس طرح ایک اسم آیات کے مجموعہ کے ساتھ مربوط و منسلک ہو گیا ہے۔ چونکہ مصنف کا اشارہ آیت نمبر ۲ تا ۲۱ کی طرف ہے اگر آیت نمبر ۱ کو آیات کے اس مجموعہ کے ساتھ ملا کر غور و فکر کیا جائے تو ایک منفرد مناسبت سامنے آتی ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

جملوں میں نظم و مناسبت:

حروف و کلمات میں ربط و مناسبت کی امثلہ، مبحث اول کے تحت گزر چکی ہیں: علامہ زمخشری حروف و کلمات کے ساتھ آیت میں مذکور جملوں (جملہ اسمیہ و فعلیہ وغیرہ) کا باہمی ربط قائم کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ النساء کی پہلی

---

1 ۔ الکشاف، 539:3

2 ۔ ایضا، 511:1

آیت:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾

میں نظم کلام پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فان قلت: الذی یقتضیه سداد نظم الکلام وجزالته ان یجاءعقیب الامر بالتقوی بما یوجبها او یدعو الیها ویبعث علیها،فکیف کان خلقه ایاهم من نفس واحدة علی التفصیل الذی ذکره موجبا للتقوی وداعیا الیها؟ قلت لان ذلک مما یدل علی القدرة العظیمة وعن قدر علی نحوه کان قادرا علی کل شیءومن المقدورات عقاب العصاة فالنظر فیه یودی الی ان یتقی القادر علیه ویخشی عقابه.... او اراد بالتقوی تقوی خاصة وهی ان یتقوه فیما یتصل بحفظ الحقوق بینهم فلا یقطعوا ما یجب علیهم وصله۔“ (1)

"صاحب کشاف یہاں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نظم کلام کی جزالت کا تقاضا یہ ہے (کہ ابتدا میں) تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے بعد ایسی چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا جو تقویٰ کے واجبات اور اس کی طرف بلانے اور ابھارنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں۔ پھر ایک ہی جان سے پیدا کیے جانے کا ذکر کس طرح تقویٰ کا موجب اور داعی ہو سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں صاحب کشاف لکھتے ہیں:

"یہ چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت پر دلیل ہے کہ جو تم سب کو ایک جان سے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور گناہ گاروں کو سزا دینا بھی اس کی قدرت میں ہے تو ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے قادر مطلق سے ڈرے اور اس کی سزا سے بچے یا اس تقویٰ سے مراد وہ خاص قسم کا ڈر ہے کہ جو لوگوں کو قطع رحمی سے بچنے اور صلہ رحمی کو اختیار کرنے کے لیے اپنانا چاہیے۔"

جملوں میں ربط و مناسبت کے لیے صاحب کشاف کے نزدیک ایک جملہ کی ماقبل جملہ سے اتصال کی درج ذیل

1۔ الکشاف، 1:492

صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے تاکید ہو گا۔(1)

۲۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے بدل ہو گا۔(2)

۳۔ مابعد جملہ ماقبل کے لیے تفسیر ہو گا۔

۴۔ ایک جملہ کو جملہ معترضہ کی حیثیت حاصل ہو گی لیکن وہ متصل ہو گا۔

۵۔ دو جملوں کا باہمی تعلق علت اور معلول کی صورت میں ہو گا۔

۶۔ خاتمہ آیت کے جملہ کو مضمون آیت سے ارتباط حاصل ہو گا۔

اختصار کے پیش نظر جملوں کے باہمی ربط کی ان چھ صورتوں میں سے بعض کی امثلہ اور بعض کے صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مابعد جملہ ماقبل کے لیے تفسیر ہو:

صاحب کشاف کے نزدیک جملوں کے باہمی ربط و تعلق کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مابعد جملہ ماقبل کے لیے وضاحت، تشریح اور تفسیر کی حیثیت رکھتا ہو، مثلاً: سورۃ النساء کی آیت 166: ﴿ولکن اللہ یشھد﴾ میں جملہ انزالہ بعلمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "انزله بعلمه" ما موقعه من الجملة التى قبله؟ قلت.... موقعه لما قبله موقع الجملة المفسرة لانه بيان للشهادة وان شهادته بصحته انه انزله بالنظم المعجز الفائت للقدره۔۔"(3)
>
> "اگر آپ یہ سوال کریں کہ انزلہ بعلمہ کے جملہ کا اپنے ماقبل جملے سے کیا ربط و تعلق ہے تو میرے نزدیک یہ ماقبل جملہ کی تفسیر و توضیح ہے (کیونکہ پیچھے قرآن سے متعلق اللہ کی گواہی کا ذکر تھا یہ اس شہادت کی وضاحت ہے) اور قرآن کی صحت و صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر شخص کی طاقت سے بلند و بالا ہے۔"

1۔ الکشاف، 551:1

2۔ ایضا، 321:3

3۔ الکشاف، 42:2

مابعد جملہ ماقبل کے ساتھ "خبر" کے ذریعہ مربوط ہو:

نحوی اعتبار سے جملہ اسمیہ کے دو اجزا ہوتے ہیں (۱) مبتدا (۲) خبر

علامہ زمخشری کے نزدیک بعض دفعہ ایک جملہ مبتدا کی خبر ہونے کی بنیاد پر ماقبل سے مربوط و منسلک ہوتا ہے۔

سورۃ المومن آیت 13:

﴿هُوَ الَّذِي يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ﴾

کے مابعد آیات میں:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ہے۔

پانچ آیات کے بعد آنے والی اس آیت کو صاحب کشاف خبر کی بنیاد پر آیت نمبر 13 کے ساتھ مربوط کرتے ہیں جیسا کہ مصنف لکھتے ہیں:

> "فان قلت: لم اتصل قوله (يعلم خائنة الاعين)؟ قلت هو خبر من اخبار هو في قوله ....هو الذی يريكم۔"⁽¹⁾
>
> "اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ یعلم خائنة الاعین کا فرمان کس کے ساتھ متصل ہے۔ تو میرے نزدیک یہ آیت ھو الذی یریکم کے آغاز میں ھو مبتدا کی خبروں میں سے ایک خبر ہے۔"

خاتمہ آیت کی مضمون آیت سے مناسبت

خاتمہ آیت میں مذکور جملے کا آیت میں مذکور حکم اور مضمون کے ساتھ ارتباط ہوتا ہے، تفسیر کشاف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ زمخشری آیات کی نظم و مناسبت کے اس پہلو کا خصوصی لحاظ رکھتے ہیں، مثلاً سورۃ الانعام میں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کے تحت خاتمہ آیت: وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کے متعلق صاحب کشاف لکھتے ہیں:

1۔ الکشاف، 421:3

”(وهو اللطیف) یلطف عن ان تدرکه الابصار (الخبیر) بکل لطیف فهو یدرک الابصار لا تلطف عن ادراکه، وہذا باب اللف۔“[1]

”**(وهو اللطیف)** وہ اس قدر لطیف ہے کہ آنکھیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ (الخبیر) اس قدر باخبر ہے کہ ہر لطیف ترین چیز کو پالیتا ہے، اور کوئی لطیف چیز اس کے احاطہ ادراک سے باہر نہیں اور یہ اسلوب ”لف“ کی قسم سے ہے۔“

آیات کے درمیان نظم و مناسبت

گذشتہ دو مباحث میں حروف اسماء، اشارہ، کلمات اور جملوں کے درمیان ربط و مناسبت میں صاحب کشاف کے منہج کی تفصیل امثلہ کے ذریعہ سے مذکور تھی، سطور ذیل میں آیات کے مابین ربط و مناسبت کی وضاحت کی جائے گی۔ اختصار کے پیش نظر بعض کی امثلہ ذکر کی جائیں گی۔

یہ مبحث درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

۱۔ آیت، مابعد آیات کے لیے تمہید ہو۔
۲۔ تفصیل بعد الاجمال۔
۳۔ مابعد آیت ماقبل کے لیے تاکید۔
۴۔ مابعد آیت ماقبل کے لیے تفسیر و بیان۔
۵۔ قسم اور مقسم علیہ میں ربط و مناسبت۔

۱۔ آیت، مابعد آیات کے لیے بطور تمہید مربوط ہو:

بسا اوقات ایک آیت مابعد آیت یا آیات کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تمہیدی آیت مابعد آیات کے ساتھ اسی تمہید کے طور پر مربوط و منسلک ہوتی ہے:

جیسا کہ صاحب کشاف کے نزدیک سورۃ النمل میں ﴿یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ مابعد آیت کے ساتھ تمہید ہونے کی وجہ سے متصل ہے۔

مصنف اس کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ الکشاف، 42:2

” وہذا (انا اللہ العزیز الحکیم) تمہید لما اراد ان یظہرہ علی یدہ من المعجزة “

”اور یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہونے والی آیت کے لیے تمہید ہے۔“[1]

۲۔ ماقبل آیت کے اجمال کی تفصیل کے ذریعہ ربط:

بسا اوقات آیات کے درمیان ربط و مناسبت کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ماقبل آیت میں ایک چیز اجمال کے ساتھ ذکر ہوتی ہے اور مابعد آیت اس کی تفصیل پر مشتمل ہوتی ہے اجمال و تفصیل کا یہ باہمی تعلق دو آیات کو باہم مربوط و منسلک کرتا ہے۔

صاحب کشاف کے ہاں یہ چیز ملتی ہے مثلاً سورہ مائدہ کی پہلی آیت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

کے بعد والی آیات میں بالخصوص جانوروں میں حلت و حرمت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

پہلی آیت کے ضمن میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"انہ کلام قدم مجملا ثم عقب بالتفصیل وہو قولہ (اُحِلَّت لَكُم) وما بعدہ۔“ [2]

(اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ) میں کلام کو اجمالی طور سے بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد اس کی تفصیل (اُحِلَّت لَکُم) اور ما بعد آیات میں بیان کی گئی ہے۔

نظم آیات بذریعہ اسبابِ ربط:

اس مبحث میں درج ذیل اسباب نظم کے ذریعے ارتباط و تناسب پر بحث کی گئی ہے، اختصار کے پیش نظر استطراد اور حسن تخلص کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

ا۔ تنظیر ۲۔ مضادت
۳۔ استطراد ۴۔ حسن تخلص

---

[1] الکشاف، 591:1
[2] ایضا، 138:3

استطراد:

یہ لفظ باب استفعال کا مصدر ہے۔ اس کے حروف اصلیہ "طرد" ہیں اس مادہ میں کسی چیز کو دور ہٹانا، سزا کے طور پر نکالنا یا جلاوطن کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ "طردہ من المنصب" کا معنی ہے کہ اس نے اسے منصب سے ہٹا دیا۔

"استطراد فی الکلام" کا معنی سلسلہ کلام کو جاری رکھنا یا بات سے بات نکالنا، استطراد کا اصطلاحی معنی ڈاکٹر انعام عکاوی، جاحظ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"الانتفال من موضوع الی آخر لکی لا یمل القاری او السامع۔"[1]

"ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا تاکہ قاری یا سامع اکتا نہ جائے۔"

اس تناظر میں ڈاکٹر عکاوی ابن المعتز کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ھو الخروج من معنی الی معنی ھو ان یکون المتکلم فی معنی فخرج منه بطریق التشبیه او الشرط، او الاخبار او غیر ذلک الی معنی آخر یتضمن مدحا او مجوا او وصفاً و غالب وقوعه فی الھجائ۔"[2]

"اس سے مراد ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف نکلنا ہے یعنی متکلم اس معنی کی طرف منتقل ہو جائے جو مدح، ہجو یا وصف کو متضمن ہو اور اس کا عموماً وقوع ہجو میں ہوتا ہے۔"

علم مناسبت قرآن کریم میں استطراد سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آجائے۔

ربط و مناسبت آیات کے اس سبب اور وجہ کا وقوع، ہمیں کثرت کے ساتھ تفسیر کشاف میں ملتا ہے۔ علامہ زرکشیؒ نے البرہان میں اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں استطراد کی وضاحت میں جو مثال بیان کی ہے وہ صاحب "کشاف" سے لی گئی ہے۔ سورۃ الاعراف میں:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾

---

1 ۔ عکاوی، ابن المعتز، ڈاکٹر، المعجم المفصل فی علوم البلاغة، مکتبه دار العلم بیروت، الطبع الاولی، 1413ھ، 77

2 ۔ ایضا، 89

کے متعلق علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"هذا الآية واردة على سبيل الاستطراد عقيب ذكر بدر السوآت وخصف الورق عليها اظهارا للمنة فيما خلق من اللباس ولما فى العرى وكشف العورة من المهانة والفضيحة، واشعارا بان التستر باب عظيم من ابواب التقوى۔" (1)

"یہ بات شرم کی جگہوں کے کھل جانے اور ان پر پتوں کو رکھ کر پردہ کرنے کے ذکر کے بعد علی سبیل الاستطراد وارد ہوئی ہے۔ اور اس سے لباس کے پیدا کیے جانے کا احسان ظاہر کرنا اور شرم گاہ کو کھولنے کی برائی کا بتانا مقصود ہے اور یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ ستر پوشی تقوی کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے۔"

حسن تخلص

تخلص کا مادہ اصلیہ خلص ہے جس میں خالص ہونے، کھرا ہونے اور صاف ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور تخلص کا معنی نجات پانا، آزاد ہونا، رہائی پانا اور جدا ہونا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ متکلم نے جس چیز سے کلام کا آغاز کیا تھا وہ اس سے اپنے مقصود اصلی کی طرف نہایت لطیف پیرایہ میں اس طرح منتقل ہو جائے کہ مخاطب کو اس انتقال کا احساس ہی نہ ہو۔ اور اگر اسے احساس ہو بھی تو اس وقت مقصد حاصل ہو چکا ہو اور متکلم امر اول سے امر دوم کی طرف منتقل ہو چکا ہو۔

علامہ سیوطیؒ حسن التخلص کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهو ان ينتقل مما ابتدئى به الكلام على وجه سهل يختلسه اختلاساً، دقيق المعنى بحيث لا يشعر السامع بالانتقال من المعنى الاول الاوقد وقع عليه الثانى لشدة الالتئام۔" (2)

"اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز سے کلام کی ابتدا کی گئی تھی متکلم بڑی باریک بینی اور لطافت سے اس معنی سے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کہ سامع کو اس کا شعور نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی جائے تو اس وقت کہ جب متکلم دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں

---

1 ۔ الكشاف، 84:2

2 ۔ السيوطى، جلال الدين، علامه، عبدالرحمن بن ابى بكر ، الاتقان فى علوم القرآن، دار ابن كثير، دمشق، طبعه رابعه، 2000ء، ص: 980

معانی کے درمیان بہت زیادہ مناسبت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔“

علامہ سیوطیؒ نے استطراد اور حسن تخلص کے درمیان فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”وقال بعضهم الفرق بين التخليص والاستطراد: انک فی التخليص تركت ما كنت فيه بالكلية، واقبلت على ما تخلصت اليه وفی الاستطراد ثم يذكر الامر الذی استطردت اليه مرورا كالبرق الخاطف: ثم تتركه وتعود الى ماكنت فيه كانک لم تقصد وانما عرض عروضا۔“ (1)

”اور بعض علماء کا قول ہے کہ تخلص اور استطراد کے مابین فرق ہے کہ تخلص میں تم نے اس بات کو جیسے پہلے بیان کر رہے تھے گویا بالکل چھوڑ دیا اور جس امر کی طرف تخلص کر کے آئے ہو بس اب اسی کے ہو رہے اور استطراد میں یہ بات ہوتی ہے تم جس امر کی طرف استطراد کرتے ہوئے اس پر کوند جانے والی بجلی کی طرح چمکتے ہوئے گزر کر پھر اسے چھوڑ کے اپنے اصلی مطلب پر آجایا کرتے ہو گویا مستطرد چیز کا بیان کرنا تمہارا مقصود نہ تھا بلکہ وہ ایک عارضی کلام کے طور پر کلام کے درمیان میں آگئی تھی۔“

تفسیر کشاف میں اس اسلوب کا استعمال کثرت سے ملتا ہے مثلاً سورۃ الاعراف میں:

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَـقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾(2)

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ عزوجل نے جواباً پہاڑ کی طرف دیکھنے کا کہا کہ اگر یہ اپنی جگہ پر سلامت رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ گفتگو کے اس کلام کے متعلق صاحب کشاف لکھتے ہیں:

”فان قلت: كيف اتصل الاستدراک فی قوله (وَ لٰكِنِ انظُرْ اِلَى الجَبَلِ) بما قبله؟ قلت اتصل به على المعنى ان النظر الى محالٍ فلا تطلبه ولكن عليک بنظر آخر وهو ان تنظر الى الجبل هذا كلام مدمج بعضه فی بعض وارد على اسلوب عجيب ونمط بديع الاترى كيف تخلص من النظر الى النظر بكلمه

---

1 ۔ الاتقان، 98:2

2 ۔ الأعراف: 143

الاستدراک۔" (1)

نظم مناسبت کا اہتمام کرنے والے مفسرین کرام کے نزدیک سورۃ القیامہ میں:

﴿لاَ تُحَرِّک بِه لِسَانَکَ لِتَعجَلَ بِه﴾

ما قبل اور مابعد کے ساتھ ربط کے حوالہ سے نہایت مشتمل اور دقیق آیت ہے، اس کی مناسبت کے بیان میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں چونکہ یہ سورت قیامت کے ذکر پر مشتمل ہے اس لیے قیامت کے تذکرے میں اچانک اس مختلف مفہوم آیت کا وقوع ربط کو مشکل بنا دیتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے نزدیک اس آیت کا ماقبل و مابعد سے ربط حسن تخلص کی بنیاد پر ہے چونکہ اس آیت میں آپ ﷺ کے حصول وحی میں جلدی کرنے کا ذکر ہے اس "عجلہ" سے عاجلہ کی محبت اور آخرت کے ترک کی طرف تخلص فرمایا گیا۔ صاحب کشاف کے الفاظ یوں ہیں:

> "فان قلت: کیف اتصل قولهلاَ تُحَرِّک به لِسَانَکَ الی آخره بذکر القیامه؟ قلت اتصاله به من جهة هذا التخلص منه الی توبیخ یحب العاجله وترک الاهتمام بالآخره۔"(2)
>
> "اگر آپ یہ اشکال وارد کریں کہ اللہ عزوجل کا فرمان: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ اپنے مابعد سے کس طرح متصل ہے کہ اس میں قیامت کا تذکرہ ہے؟ تو میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مابعد کے ساتھ اتصال حسن تخلص کی بنیاد پر ہے۔ تو اس میں عاجلہ سے محبت اور آخرت کے اہتمام کو ترک کرنے پر زجر و توبیخ ہے۔"

قرآنی سورتوں میں نظم و مناسبت کا منہج و اسلوب

علامہ زمخشریؒ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے علماء ادب و بلاغت کے تصور نظم کو وسعت دیتے ہوئے، قرآن کریم پر اس کے عملی اطلاق کی کوشش کی ہے چونکہ یہ آیات و سور کے درمیان ارتباط و تناسب کی ابتدائی کوشش ہے لہٰذا بالخصوص سورتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے لیے مقالہ نگار کو بسیار کوشش کے بعد چند چیزیں دستیاب ہو سکیں ہیں۔

1۔ الاتقان، 114:2

2۔ الاتقان، 192:4

سورتوں کے درمیان ربط کے لیے یہ چند امثلہ راہ نما نقوش اور اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں مقالہ نگار کے خیال میں تصور نظم و مناسبت کی جامع صورت گری کے لیے یہ راہ نما نقوش، مابعد مفسرین کے لےے، یقینا ممد و ومعان بنے ہیں۔

اس مبحث کو درج ذیل عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر بعض کی امثلہ پیش کی گئی ہیں۔

ا۔ فاتحہ سورت کا سورت کے مضامین سے ربط۔

۲۔ خاتمہ سورت کا سورت کے مضامین سے ربط۔

۳۔ فواتح اور خواتم میں ربط و مناسبت۔

۴۔ مختلف سورتوں کے فواتح میں مناسبت۔

۵۔ خاتمہ سورت کا مابعد سورت کے فاتحہ سے ربط۔

ا۔ فاتحہ سورت کی سورت کے مضامین سے مناسبت:

تفسیر قرآن کے دوران، ربط و مناسبت کا لحاظ رکھنے والے مفسرین کسی بھی سورت کے فاتحہ بالفاظ دیگر تمہید کو پوری سورت کے ساتھ گہری مناسبت حاصل ہوتی ہے، تفسیر کشاف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کی ابتداء کو سورت کے معانی ومفاہیم سے ارتباط وتناسب حاصل ہے۔

جیسا کہ علامہ زمخشری سورۃ النساء کی پہلی آیت کے ابتدائی کلمات میں تقوی کے ذکر سے متعلق یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے یہ کہا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ (1)

توچونکہ تقویٰ کا حکم دیا ہے لہذا آیت کے اس حصہ کے بعد تقویٰ کے لوازم مذکور ہونے چاہیے تھے۔ جبکہ اس کے بعد انسانی تخلیق کا ذکر شروع ہو گیا صاحب کشاف کی عبارت ملاحظہ کریں۔

"فان قلت: الذى يقتضه سداد نظم الكلام وجزالته ان يجاءعقيب الامر بالتقوىٰ بما يوجبها او يدعوا ليها ويبعث عليها، فكيف كان خلقه اياهم من نفس واحدة على التفصيل الذى ذكره موجبا للتقوى و داعيا اليها؟ قلت: لان

---

(1) ۔ النساء 1:4

> ذلک مما یدل علی القدره العظیمة ومن قدر علی نحوه کان قادرا علی کل شیءومن المقدورات عقاب العصاة فالنظر فیه یودی الی ان یتقی القادر علیه ویخشی ربه، ولانه یدل علی النعمة السابغة علیهم، فحقهم ان یتقوه فی کفر انها والتفریط فیما یلزمهم من القیام بشکرها، او اراد بالتقوی تقوی خاصة وهی ان یتقوه فیما یتصل بحفظ الحقوق بینهم فلا یقطعوا ما یجب علیهم وصلة، فقیل اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِی وصل بینهم حیث جعلکم صنوانا مفرعة من ارومة واحدة فیما یجب علی بعضکم بعضٍ فحافظوا علیه ولا تغفلوا عنه، ”وهذا المعنی بمطابق لمعانی السورة۔"(1)
>
> صاحب کشاف کے مطابق نظم کلام کے حسن و جزالت کا تقاضا یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس کے بعد ایسے امور کا ذکر ہونا چاہیے تھا، جو تقوی کے واجبات، اس کی طرف بلانے اور اس پر ابھارنے سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ہی جان سے تخلیق کا ذکر، کس طرح تقوی کا موجب اور داعی ہو سکتا ہے؟

اس کے جواب میں علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

یہ امر دراصل اللہ عزوجل کی قدرت پر بہت بڑی دلیل ہے کہ جو تم سب کو ایک جان سے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور گناہ گاروں کو سزا دینا، اس کی قدرت میں ہے، تو یہ ضروری ہے کہ اللہ ایسے قادر مطلق کا تقوی اختیار کرے اور اس کی سزا کا خوف رکھے یہ چیز انسانوں پر ہونے والی نعمت کاملہ پر دلیل و برہان ہے۔ لہذا ان کے لیے ضروی ہے کہ وہ اس کی ناشکری سے اجتناب کریں اور جو شکر گزاری ان کے ذمے ہے اس میں کمی نہ چھوڑیں، یا اس تقویٰ سے مراد خاص قسم کا تقویٰ اور ڈر مراد ہے، جو لوگوں کو قطع رحمی سے بچنے اور صلہ رحمی اختیار کرنے کے لیے اختیار کرنا چاہیے، تو گویا یہ کہا گیا کہ تم اپنے اس رب سے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کر کے مختلف اقسام میں منقسم کر دیا، ان معاملات میں ڈرو جو ایک دوسرے پر واجب ہیں تم اس کو یاد رکھو اور غافل نہ ہو جاؤ۔

اس آیت کا یہ معنی سورت میں (بیان کردہ) معانی و مقاصد کے عین مطابق ہے۔

---

1 ۔ الکشاف، 492:1

دوسری مثال: علامہ زمخشریؒ سورۃ النمل آیت 6:

﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"وهذه الآية بساط و تمهيد لما يريد ان يسوق بعضها من الاقاصيص وما فی ذلک من لطائف حكمته و دقائق علمه۔" (1)

"یہ آیت سورت کی مابعد آیات میں مذکور قصص و واقعات اور اس کی علم و حکمت کے بیان کردہ لطائف و دقائق کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔"

اصول نظم قرآن میں تمہید کے اصول کو فہم نظم و مناسبت میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ نظم و مناسبت کا التزام واہتمام کرنے والے مفسرین نے اس اصول سے بے حد استفادہ کیا ہے۔ اختصار کے سبب تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔

فواتح اور خواتم میں نظم و مناسبت:

سورتوں کے مابین ارتباط و تناسب میں ایک سورت کے فاتحہ اور خاتمہ کی باہمی مناسبت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، کسی بھی سورت کے عمود اور مقصود و مطلوب کے تعین میں فاتحہ سورت اور خاتمہ سورت کو راہ نما اشارہ کی حیثیت دی جاتی ہے۔

سورۃ الدخان کے فاتحہ میں اللہ عزوجل کا فرمان:

حٰمٓ ، وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ، مذکور تھا

اور خاتمہ سورت یہ آیت قرار پائی:

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

سورت کے آغاز میں، اس چیز کی قسم کھائی گئی کہ قرآن مجید روشن اور واضح کتاب ہے اور اختتام میں بتایا گیا (کہ جس روشن کتاب کی قسم کھائی گئی) اس کو ہم نے آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں۔ صاحب کشاف فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ کی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"فذلكة للسورة و معناها: ذكرهم بالكتاب المبين فانما يسرناه: ای سهلناه حيث

---

1 ۔ الكشاف ، 138:3

انزلناه عربیاً بلسانک بلغتک ارادة ان یفهمه قولک فیتذکروا۔ "[1]

یہ سورت کا خلاصہ ہے اور اس کا مطلب ہے اس کتاب روشن کو ہم نے سہل و آسان کر دیا یعنی آپ کی عربی زبان میں اس کو نازل کر کے آسان بنا دیا ہے تا کہ آپ کی قوم اسے سمجھ سکے اور اس سے نصیحت حاصل کر سکے۔

حاصل بحث

نظم قرآن کی وہ بحثیں جن کا تعلق مجاز، تشبیہ و کنایہ، نحوی قواعد ایسے ادبی اور بلاغی پہلوؤں کے ساتھ تھا۔ علامہ زمخشریؒ نے اس سے آگے بڑھ کر قرآنی کلمات، جملوں، آیات اور سورتوں کی نظم و مناسبت کو موضوع بحث بنایا، معتزلی ہونے کے باوجود زمخشری نے قرآن حکیم کو نظم و ترتیب کی بنیاد پر معجزہ قرار دیا تو پھر بلاغی اصولوں کا آیات پر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انطباق کرتے ہوئے قرآنی نظم و مناسبت کا اظہار بھی کیا۔

آپ نے کلمات قرآنیہ کی تقدیم و تاخیر، الفاظ کے در و بست اور ترتیب پر کلام کیا، قرآنی جملوں کی باہمی مناسبت کی بنیادوں کو واضح کیا کہ کس طرح جملے باہم تاکید، تفسیر، بدل، اعتراض کے ذریعے مربوط ہوتے ہیں۔ اسی طرح آیات کے ارتباط و تناسب کے وہ اصول مثلاً (تمہید، تاکید، تفسیر، تفصیل بعد الاجمال، تنظیر، مضادت، استطراد، حسن تخلص) جو آج بھی ربط و مناسبت اور نظریہ نظام القرآن کی بنیاد خیال کیے جاتے ہیں ان پر سب سے پہلے علامہ زمخشری نے شاندار کلام کیا۔

---

[1] ۔ الکشاف، 508:3